© rasailojaraid.com

اس متن اور حاشیے میں اختیار کردہ موقف کا علمی محاسبہ کرتے ہوئے ہمارے ایک نہایت ہی قابلِ احترام بزرگ اور وقت کے بہت بڑے محقق عالمِ دین مولانا اخلاق حسین قاسمی صاحب نے حکمتِ قرآن ہی کے جنوری ۱۹۸۷ء کے شمارہ میں "غلبۂ حال اور انبیائے کرام علیہم السلام" کے عنوان سے اس پر بہت مفصل تنقیدی گفتگو فرمائی ہے چونکہ اس موضوع پر مزید بحث کے لیے مندرجہ ذیل وجوہ سے آمادہ نہ تھا۔

(۱) اگرچہ مولانا سے شخصی طور پر متعارف نہ ہوں اور تاہنوز شرف ملاقات سے بھی محروم ہوں تاہم ان کی عظمت اور علمی مقام و مرتبے سے کافی متاثر ہوں اور عام طور پر ایک ہی موضوع پر ایسی مختلف الخیال دوطرفہ تحریرات سے بظاہر ایک تقابل کی سی صورت پیدا ہو جاتی ہے جو مولانا محترم کی نسبت قطعاً ناگوار تھی۔

(۲) خود مسئلہ بڑا نازک اور انبیائے کرام سے متعلق ہے مولانا کا مضمون پڑھنے کے بعد اپنی بات پر بھی شرح صدر باقی نہ رہا تھا۔ اس لیے بھی مزید لکھنا مناسب نہ سمجھا۔

لیکن آج سے دو تین مہینے پہلے یہ دونوں مضمون اتفاقاً پھر سامنے آگئے۔ دوبارہ پڑھنے پر محسوس ہوا کہ مولانا محترم تو اس مسئلے کی بہت زور و شور سے قطعی تردید فرماتے ہیں جبکہ ہمارے دوسرے اکابر کاملین پر غلبۂ حال کے کبھی کبھی واقع ہو جانے کے قائل نظر آتے ہیں اور سردست اپنا حال یہ ہے کہ طبعی رجحان تو مولانا محترم کے موقف کی طرف ہے لیکن دلائل کی قوت دوسری طرف دکھائی دیتی ہے۔ اگرچہ یہ یقین تو اب بھی نہیں ہے کہ اس مسئلے کی ایسی دوٹوک تنقیح ہو سکے گی کہ کوئی تردد باقی نہ رہے تاہم دوبارہ چھڑنے پر مولانا کے قلم سے بہت سا قیمتی علمی مواد سامنے آجانے کی قوی اُمید ہے اس لیے مولانا محترم کے مضمون کے خاص خاص حصوں پر اپنی طالب علمانہ معروضات پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔ چونکہ اس موضوع کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: پہلا یہ کہ انبیاء علیہم السلام پر غلبۂ حال واقع ہو سکتا ہے کہ نہیں اور دوسرا یہ کہ ابراہیم علیہ السلام کا یہ واقعہ غلبۂ حال کے قبیل سے ہے کہ نہیں۔ سو اسی ترتیب سے مولانا کے دلائل اور ان کا تجزیہ پیش کیا جائے گا۔

مولانا فرماتے ہیں:

"غلبۂ حال ایک ذہنی کمزوری ہے جس میں مبتلا ہو کر انسان عقائدِ حقّہ کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خلاف بعض کفریہ فقرے زبان پہ لاتا ہے چونکہ جن حضرات کی مجموعی زندگی کتاب وسنت کے مطابق ہوتی ہے ان کی زبان پہ ایسے فقروں کا آنا ان کی عام زندگی سے میل نہیں کھاتا اس لیے ان فقروں میں تاویل کر کے ان کی عام زندگی کے احترام کو قائم رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے لیکن حضرات انبیاء علیہم السلام کا معاملہ بالکل جدا ہے۔ حفاظتِ الٰہی نہیں غلبۂ حال کی کمزوری سے محفوظ رکھتی ہے۔"

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ غلبۂ حال ایک انسانی کمزوری ہے اور انبیائے کرام علیہم السلام اس سے منزہ ہیں۔ لیکن جبکہ یہ مسلّم ہے کہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات انسان ہی ہوتے ہیں اور دوسرے انسانی عوارض مثلاً سہو، نسیان، غم، پشیمانی وغیرہ ان کو بھی پیش آتے رہتے ہیں تو فقط غلبۂ حال کا عارضہ پیش آنا کیوں ناممکن ہے۔ ہاں تبلیغ احکام کے سلسلے میں غلبۂ حال سمیت ہر قسم کے عوارض سے بحفاظتِ الٰہی مامون ومصون ہوتے ہیں تاکہ فریضۂ رسالت کی کماحقہ ادائیگی میں کسی اشتباہ کا وسوسہ پیدا نہ ہو۔ غلبۂ حال اور دوسرے عوارض انسانی کے درمیان ایسا واضح فرق وتفاوت بیان کیا جاوے جس سے غیر مشتبہ طور پر یہ معلوم ہو سکے کہ واقعی اوّل الذکر کا انبیائے کرام علیہم السلام کو کبھی کبھی پیش آجانا بھی ناممکن ہے اور ثانی الذکر قسم کے عوارض پیش آ سکتے ہیں۔ خیال ہے کہ ثانی الذکر قسم کے عوارض کے پیش آجانے کے مولانا بھی قائل ہوں گے اس لیے اس کے دلائل سے صرف نظر کیا گیا۔

آگے چل کر مولانا محترم تحریر فرماتے ہیں:

"روایت کے جس فقرے سے بنوی صاحب کو یہ شبہ ہوا ہے وہ حسب ذیل ہے:

فای خزی اخزیٰ من ابی الا بعد	اے خدا آج اس سے بڑی میری کیا رسوائی ہو گی کہ میرا باپ تیری رحمتوں سے محروم ہے۔

اس فقرہ میں باپ کے لیے مغفرت کی دعا و درخواست دبی زبان میں بھی نہیں ہے بلکہ اپنی رسوائی پر تعجب ہے اور اس سے بچانے کی درخواست ہے چنانچہ خدا تعالیٰ نے اس کی تدبیر فرمائی اور آزر کو ایک خون آلودہ جانور کی شکل میں منتقل کر کے دوزخ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں ڈلوا دیا ــــ جس سے اس بات کی شہرت ختم ہوگئی کہ ابراہیم خلیل اللہ کا باپ جہنم میں ڈالا گیا ہے۔ پس یہی آپ کا منشا تھا ۔ اس واقعہ سے اس بات کا خیال بھی نہ کیا جائے کہ خلیل اللہ نے اپنے آپ کو ذہنی اذیت سے محفوظ رکھنے کے لیے یہ سوال کیا کیونکہ عالم آخرت عقائد و اعمال کا عالم ہے خونی رشتوں اور نسبی علائق کا وہاں کوئی اثر باقی نہ رہے گا قرآن کریم نے کہا :

وَ تَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَاب کہ ہر تعلق نسبی و ظاہری ٹوٹ جائے گا۔

(البقرہ : ۱۶۶)

قرآن و حدیث میں خون اور نسب کے رشتوں میں ایک دوسرے کی وجہ سے جو درجات کی بلندی اور سفارش کی قبولیت کا ذکر آتا ہے وہاں ایمان اور توحید کی شرط کے ساتھ ہے ۔ قرآن نے کہا :

وَ مَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَ اَزْوَاجِهِمْ گویا صلاحیت یعنی ایمان کی شرط لگائی گئی۔

وَ ذُرِّيّٰتِهِمْ (الرعد ۲۳، الغافر ۸)

توحید و ایمان کو بحفاظت لے جانے کے بعد اعمالِ خیر میں جو کمی اور نقص رہ جائے گا اُسے اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ماں باپ اور اہل اللہ کی دعاؤں کے ذریعے دور فرمادے گا۔ ایک جلیل المرتبہ پیغمبر آخرت میں باپ کی نسبی محبت سے مغلوب الحال اور بے قابو ہو جائے یہ تصور فاضل بنوی کے ذوق کی تسکین کا سامان کیسے بن گیا۔"

اس عبارت کا تعلق موضوع کے دوسرے حصے سے ہے اور اس میں موقف یہ اختیار کیا گیا ہے کہ قیامت میں پیش آنے والی اس صورت حال کی توجیہ میں غلبۂ حال سے مدد لینا قطعیً غلط ہے ۔ اس قطعیت کے لیے مولانا محترم نے ایک تو اسی آیت سے استدلال کیا ہے جو منقولہ بالا پیراگراف میں مذکور ہے یعنی وَ تَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ اور اس کے چند سطروں بعد یہ آیت بھی نقل فرمائی ہے : فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ جن سے مولانا کا مطلب یہ ہے کہ جب قیامت کے دن سرے سے خونی رشتے ہی منعدم ہو جائیں گے تو رشتۂ پدریت و پسریت کی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر غلبۂ حال طاری ہونے کی بنیاد ہی کیا رہ جاتی ہے ۔ اس سلسلے میں عرض ہے کہ مذکورہ آیات کا بالکل سیدھا سادا اور ظاہری مفہوم تو یہ ہے کہ قیامت کے دن خونی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رشتے کسی کام نہیں آئیں گے۔ آیات کا یہ معنی لینا کہ سرے سے یہ رشتے ہی ختم ہو جائیں گے تو نہ صرف اس ظاہر کے خلاف بلکہ بعض دوسری آیات کے مفہوم سے متصادم بھی ہے مثلاً آیات:

یَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكَارٰى وَمَا هُمْ بِسُكَارٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ؀
يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيْهِ وَأُمِّهٖ وَأَبِيْهِ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُّغْنِيْهِ۔

وغیرہا سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ان رشتوں کے احساس کے باوجود ایک دوسرے سے کامل بے تعلقی و بے پرواہی پیدا ہوگی۔ اگر یہ طبعی علائق سرے سے محو ہوں تو اجانب کا ایک دوسرے سے بیگانہ و بیزار ہونا تو عام دنیاوی مصیبتوں میں بھی مشاہد ہے۔ اس میں قیامت کی ہولناکیوں کا کیا اختصاص و امتیاز ہے۔ علامہ ابن عابدین شامیؒ نے ایک مستقل رسالہ میں اس موضوع پر کافی بحث فرمائی ہے کہ نبی علیہ السلام کی قرابت قیامت کے دن ان کے مؤمن قرابت داروں کے لیے تو نفع مند ثابت ہوگی لیکن کفار قرابتداروں کے لیے کسی منفعت کا ذریعہ نہ ہوگی۔ اس بحث میں قرابتوں کے سرے سے نابود ہو جانے کی بات تو کہیں نظر سے نہیں گزری۔ اس تبصرے کو میں علامہ تھانویؒ کی مشہور کتاب "بوادر النوادر" میں شامل ایک مضمون بعنوان "عبور البراری فی سرور الذراری" سے ماخوذ ایک اقتباس پر ختم کرتا ہوں۔ مولانا ذراری المشرکین کے اُخروی ٹھکانے پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"الروایة الاولیٰ عائشة لو شئتُ لاسمعتکِ تضاغیھم من النار یعنی اطفال المشرکین۔ یہ روایت بظاہر دال ہے تعذیب پر کیونکہ تضاغی کسی الم ہی کے سبب ہو سکتی ہے۔ جواب یہ ہے کہ تضاغی کے دوسرے اسباب بھی ہو سکتے ہیں مثلاً اپنے آباء کی حالت دیکھ کر جیسے دنیا میں مشاہد ہے اگر کسی بچے کے باپ بھائی کو کوئی مارے، بچے رونے لگتے ہیں یا مثلاً باوجود عدم تألم کے احتمال تألم فی المستقبل سے جیسے دنیا میں بھی عدم وقوع خوف کے احتمال خوف سے بچے رونے لگتے ہیں۔ یا مثلاً خود جہنم کا منظر ناپسند کرکے اس سے خارج ہونے کی خاطر الحاح کے لیے جیسے اس کے نظائر دنیا میں بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیکھے جاتے ہیں۔ غایت مافی الباب اس کا قائل ہونا پڑے گا کہ بچوں میں بچپن کے بعض جذبات وہاں بھی رہیں گے سو اس کے التزام میں چنداں بُعد نہیں چنانچہ چھوٹے بچے جو اپنے والدین کے بخشوانے کے لیے اَڑ جائیں گے کہ ہم بدون ان کے جنت میں نہ جائیں گے وہاں ارشادِ خداوندی ان لفظوں سے منقول ہے: ایھا السقط المراغم ربہ ادخل ابویک الجنۃ۔ مراغم کا لفظ ان جذبات کے بقاء کو بتلا رہا ہے۔"

مولانا تھانویؒ تضاغی اولاد المشرکین کی بہت سی توجیہات میں یہ توجیہ بھی بیان فرمائی ہے ہیں کہ مثلاً آباء کی حالت دیکھ کر جیسے دنیا میں مشاہد ہے اگر کسی بچے کے باپ بھائی کو کوئی مارے، بچے رونے لگتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ مولاناؒ کے نزدیک موقف تو کیا دوزخ تک میں ان انسانی جذبات کا پایا جانا کوئی ناممکن بات نہیں اور اگر میری سمجھ یا حافظے کا دھوکہ نہ ہو تو موقف کے بارے میں تو مولانا تھانویؒ کی تحریرات میں بصراحت یہ بات کہیں مذکور دیکھی ہے کہ وہ عالم عالمِ دنیا کے ساتھ بہت سی چیزوں میں مشارک و مشابہ ہے۔

اس مبحث کو ختم کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بعینہٖ اسی واقعہ ابراہیم علیہ السلام کے متعلق ملا علی قاری کی توجیہ بھی نقل کر دوں تاکہ معلوم ہو کہ اگر غلبۂ حال کے نافین میں محمود آلوسی جیسے مفسرین شامل ہیں تو مثبتین میں بھی بلند پایہ علماء و صلحاء کا بالکل فقدان نہیں ہے۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں متعلقہ حدیث کے الفاظ " فاذا ھو بذیخ متلطخ " کی تشریح کرنے کے بعد اس پر مزید لکھتے ہیں کہ:

والحکمۃ فیہ انہ لما یراہ ممسخاً	حکمت اس میں یہ ہے کہ جب وہ
یخرج من قلبہ محبتہ ولان	(ابراہیمؑ) اس کو (یعنی باپ کو) مسخ شدہ
لا یحزنہ ان لو راٰہ قد القی	صورت میں دیکھ لے گا تو اس کی محبت
فی النار علی صورتہ۔	دل سے نکل جائے گی اور تاکہ وہ اس

غم سے غمگین نہ ہو جو اس کو اپنے باپ کے انسانی صورت میں جہنم میں ڈالے جانے کا منظر دیکھنے سے ہوتی۔

قارئین ذرا حقر کے یہ جملے دوبارہ ملاحظہ فرمالیں کہ " معلوم ہوتا ہے کہ بدنصیب باپ کا یہ فرزندِ سعادت مند قیامت کی اُن ہولناک گھڑیوں میں بھی جبکہ ہر طرف نفسی نفسی کی صدا د پکار ہوگی اپنی بے مثال رأفت و رحمت کی بدولت اپنے خطاکار والد کی خطاپوشی کی درخواست

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کر بیٹھیں گے اور والد کی بدحالی پر درد کی ٹیسیں اس کے دل میں اس وقت تک برابر اٹھیں گی جب تک کہ مسخ صورت کی ایک خاص تدبیر سے محبتِ پدری کو ان کی سرشت سے کھینچ کر نکال باہر نہیں کیا جاتا۔"

مسخ صورت کی غرض وغایت کے بیان میں اس عبارت اور ملا علی قاریؒ کی صراحت میں سرِ مُو اختلاف نہیں اور ظاہر ہے کہ مسخ صورت کی یہ غرض وغایت جب ہو سکتی ہے جبکہ ابراہیم علیہ السلام کے دل میں محبتِ پدری کے وجود واحساس کو تسلیم کیا جاوے۔

مولانا فرماتے ہیں کہ "اس فقرہ میں باپ کے لیے دعا و مغفرت کی درخواست دبی زبان میں بھی نہیں ہے بلکہ اپنی رسوائی پر اظہار تعجب ہے اور اس سے بچانے کی درخواست ہے۔"

عرض ہے کہ اگر اس فقرے میں مغفرت کی کسی درجے میں بھی خواہش مذکور نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ کے جواب " انی حرمت الجنۃ علی الکافرین " کا ماقبل کے ساتھ بے تکلف جوڑ کیا بنے گا اگر واقعتاً ابراہیم علیہ السلام کا منشأ سوال اس رسوائی سے بچنا اور بچانا ہی تھا جس کی تدبیر بقول مولانا یہ فرمائی گئی کہ آزر کو ایک خون آلودہ جانور کی شکل میں منتقل کر کے دوزخ میں ڈلوا دیا جس سے اس بات کی شہرت ختم ہوگئی کہ ابراہیم خلیل اللہ کا باپ جہنم میں ڈالا گیا ہے تو اس قولی سوال اور عملی جواب کے بیچ میں انی حرمت الجنۃ علی الکافرین کے اضافے کی کوئی معقول وجہ کیا ہوگی۔

موضوع کے دونوں حصوں پر تبصرہ کرنے کے بعد مولانا اس قرآنی نظیر کی تردید فرماتے ہیں جو احقر نے مولانا تھانویؒ کے حوالے سے مولانا محمد یعقوبؒ صاحب سے نقل کی تھی۔ مولانا فرماتے ہیں:

"علمائے اعلام نے حضورؐ کے اس فعل (عبداللہ بن ابی منافق پر نمازِ جنازہ پڑھنے) کو دعوتی اور دینی مصلحت سے وابستہ کیا ہے۔ رحمت وشفقت کا یہ بامقصد مظاہرہ تھا۔ اخلاقی مدارات کے طور پر آپ کا یہ فعل رونما ہوا۔

آپ کے دل میں حقیقی طور پر اس منافق کے لیے کوئی محبت وشفقت نہ تھی اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً (آل عمران ۲۸) کی تفسیر میں کفار کے ساتھ اخلاق و مدارات کی جو نوعیت بیان کی گئی ہے اُس کا مطالعہ کیا جائے۔

مولانا تھانویؒ کی طرف سے مولانا محمد یعقوب صاحب کے حوالے سے غلبۂ حال کی جو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بات نقل کی گئی ہے وہ صرف ایک صوفیانہ نکتہ ہے کوئی تحقیقی بات نہیں ہے ورنہ مولانا تھانویؒ بیان القرآن میں اس کا حوالہ دے سکتے تھے۔"

مولانا کے اس حصہ مضمون کو پڑھتے ہوئے تو خدا شاہد ہے کسی طنز و تعریض کے طور پر نہیں کلا و حاشا و اقعتاً) میرا سر چکرانے لگتا ہے۔ اگرچہ میرا موجودہ ماحول بھی ایسی علمی تحقیقات کے لیے ساز گار نہیں لیکن اس ذہنی پریشانی سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے لازماً خلاف ماحول بھی کتابوں کی ورق گردانی پر تیار ہو جاتا لیکن افسوس کہ مجھے مستند علمی کتابیں بھی میسر نہیں نمازِ جنازہ جس کی اصلیت الثناء للہ تعالیٰ والدعاء لھذا المیت ہے اور جو دوسری نمازوں کی طرح ایک عبادت ہے خدا کا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کفار سے اخلاق و مدارات کی خاطر اس کی ایسی خلاف وضع استعمال پہ آمادہ ہو جائے۔ صُلبِ عبادت میں اخلاق و مدارات کی خاطر ایسی تبدیلی کی کوئی دوسری نظیر بھی مولانا محترم پیش فرما سکیں گے۔ کیا اس کی یہ توجیہ قابلِ قبول نہیں کہ ممکن ہے غلبۂ حال کی وجہ سے الدعا لھذا المیت کے ساتھ ساتھ حضور علیہ السلام کو اپنی پیغمبرانہ فراست سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہو کہ اس فعل سے بہت سے کفار بھی متاثر ہوں گے جیسے کہ یہ واقعہ بھی ہوا کہ ایک روایت کے مطابق قبیلہ خزرج کے ایک ہزار افراد نے اس واقعہ کے بعد اسلام قبول کیا۔

رہی یہ بات کہ یہ ایک صوفیانہ نکتہ ہے تو عرض ہے کہ اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ بالکل بے اصل ہے تو اپنے بزرگوں کے متعلق ہمارے لیے یہ باور کرنا تو بہت مشکل ہے کہ وہ محض بے اصل باتوں کو لوگوں کے مجمع میں بیان کریں گے اور اگر یہ مراد ہے کہ یہ بات کمزور ہے تو تسلیم ہے لیکن مولانا محترم کے انداز سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایسی کوئی توجیہ سرے سے ناممکن اور محال ہے جس کا حاصل نہ صرف بے اصل بلکہ خلاف اصل اور مناقض اصل نکلتا ہے۔ ظاہر ہے کہ حکیم الامتہ کے کلام میں اس نوع کی لایعنی بحث کی گنجائش تو نہیں ہو گی۔

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے اشاعت کی جاتی ہیں ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم

خودی اور رحمۃ للعلمین صلی اللہ علیہ وسلم (۶)

اسلام کے غلط اندیش مصلحین

اس زمانہ میں مسلمانوں کے تعلیم یافتہ طبقہ میں ایک گروہ ایسے لوگوں کا پیدا ہوگیا ہے جن کی رغبت اسلام سے کم اور مغرب کے ناقص، غلط اور غیر اسلامی نظریات سے زیادہ ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ہمارے کالجوں کی تعلیم و تربیت لادینی اور بے خدا ہے اور انسانی زندگی کے متعلق لادینی اور بے خدا نقطۂ نظر پیدا کرتی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ مغرب کے غیر اسلامی نظریات غلط اور نامعقول ہونے کے باوجود ایک ظاہری شان و شوکت اور چمک دمک رکھتے ہیں۔ ایسے غلط نظریات کے پرستار اور اسلام سے بیزار مسلمانوں کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ اسلام کی ایسی توجیہہ کریں جو اسلام کو ان کے غلط مگر پسندیدہ نظریات کے مطابق بنا دے یا قریب لے آئے۔

لہٰذا وہ کسی استاد کی راہ نمائی کے بغیر اسلام سے سطحی اور جزوی واقفیت پیدا کرنے کے بعد اسلام کے مصلحین یا ریفارمرز کے لباس میں ظاہر ہوتے ہیں اور اجتہاد کے نام پر اسلام میں ردّو بدل کرتے ہیں اور امید رکھتے ہیں کہ عام مسلمان ان کی مذہبی قیادت کو قبول کریں گے۔ اپنے آپ کو یوں بلاوجہ غیر معمولی سمجھ بوجھ کا مالک قرار دے لینے کے بعد وہ ایک طرف سے تو دیندار اور پرہیزگار مسلمانوں کو کوستے ہیں کہ وہ مُلّا اور متحجر اور جامد ہیں اور زمانے کے ساتھ نہیں بدلتے۔ اور دوسری طرف سے اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ قرآن حکیم پر ان کے تشریحی اور تفسیری نکات نہایت ہی جدید اور اچھوتے ہیں۔ اسلام مٹ چکا تھا لیکن ان کے قلم کی جدت طرازیوں نے اسے پھر زندہ کر دیا ہے۔

اجتہاد کی شرائط

حالانکہ اجتہاد صرف ایسے مسائل میں ہو سکتا ہے جن کے بارے میں خدا اور رسولؐ کے ارشادات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے اندر پہلے کوئی راہ نمائی موجود نہ ہو اور بعض نئے غیر متوقع حالات کے اندر اسلام کے مطابق عمل کرنے کے لیے خود اسلام ہی کی تعلیمات کی روشنی میں اور اس کی رُوح کے مطابق نئے اصول اور قواعد وضع کرنے کی ضرورت پیش آئے۔ ظاہر ہے کہ صحیح اور بے خطا اجتہاد کے لیے ضروری ہے کہ اجتہاد کرنے والا نہ صرف اسلام کی پُوری تعلیمات سے اور اس کے احکام کی ساری علتوں اور حکمتوں سے باخبر اور اس کی روح سے آشنا ہو بلکہ اس کے دل میں خدا اور اس کے رسول اور اسلام کی محبّت بھی درجۂ کمال پر ہو۔ اگر اس کی محبّت کامل نہ ہوگی تو جس حد تک وہ کامل نہ ہوگی اُس حد تک اس کے دل میں غلط اور غیر اسلامی نظریات اور تصورات کی محبت سمائی ہوئی ہوگی، جو اس کی بصیرت اسلامی کو خطا سے ملوّث کرے گی اور اس کے اجتہاد کو غلط اور ناقص بنائے گی لیکن خدا کی محبّت کو وہی شخص درجۂ کمال پر پہنچا سکتا اور قائم رکھ سکتا ہے جو عبادت و ریاضت، تقویٰ و پرہیزگاری اور توبہ و استغفار کو اپنا شعار بنا تے۔

اجتہاد کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اپنی کور ذوقی کو مطمئن کرنے کے لیے ہم ان احکام کو ہی بدل ڈالیں جو بارگاہِ ایزدی یا دربارِ رسالت سے صادر ہو چکے ہوں۔ ایسا کرنا اجتہاد کی اجازت کا نہایت ہی غلط استعمال ہے جو انکارِ نبوت یا دعوائے نبوت سے کم مذموم نہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ ایک خوبصورت شہر کے رہنے والے کسی شخص کو اجازت دے دی گئی ہو کہ جہاں کہیں کھلی زمین پائے عمارتیں بنائے لیکن وہ اس اجازت کا استعمال یوں کرے کہ کھلی زمین میں تعمیر کرنے کی بجائے شہر کی ایسی خوبصورت عمارتوں کو جو اس کے بگڑے ہوئے ذوق کے مطابق نہ ہوں گرا کر نئی بدصورت عمارتیں بنانے لگے۔ ایسے اشخاص کے متعلق ہی اقبال نے کہا ہے۔

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق!
احکام ترے حق ہیں، مگر اپنے مُفسّر
تاویل سے قرآں کو بنا سکتے ہیں پازند!
حدیثِ بے خبراں ہے تو بازمانہ بساز
زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ ستیز!

© rasailojaraid.com